ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2905

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: فقہ الہ (عبادات) (2905) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

امتحانی مشق نمبر 2 میں بھی پانچ سوالات ہیں: غائبانہ نماز جنازہ پر اہل علم کی مختلف آراء، سائلین کے ساتھ سلوک، صوم کے لغوی و اصطلاحی معنی، مسجد نبوی کی فضیلت اور عاریت وغصب کی تشریح۔ یہ سوالات نماز جنازے سے لے کر روزے، زیارت کے فضائل اور معاملات کے فقہی ابواب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ پہلے سوال جیسے اختلافی مسائل

میں تمام بڑی آراء غیر جانبدارانہ طور پر دلائل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور یہ وضاحت بھی شامل ہے کہ عملی فتویٰ مستند اہل علم ہی سے لیا جائے۔ ہر جواب تعارف، ذیلی عنوانات، جدول یا خاکے اور حاصل کلام پر مشتمل ہے۔

سوال نمبر 1: غائبانہ نماز جنازہ—اہل علم کی مختلف آراء

سوال نمبر 1: غائبانہ نماز جنازہ کے حکم کے بارے میں اہل علم کی مختلف آراء تحریر کریں (20 نمبر)

تعارف

نماز جنازہ میت کے لیے دعائے مغفرت اور امت کی طرف سے اس کے حق میں سفارش ہے اور اصل اصول یہ ہے کہ یہ نماز میت کی موجودگی میں پڑھی جاتی ہے۔ بعض اوقات مسلمان کسی ایسے علاقے میں وفات پاتا ہے جہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا، یا اس کی میت اہل خانہ و احباب سے دور ہوتی ہے، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا غائب میت کے لیے اس کی غیر موجودگی میں نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے، اسی کو غائبانہ نماز جنازہ کہا جاتا ہے۔ اس مسئلے میں اہل علم کی آراء قدیم زمانے سے مختلف چلی آتی ہیں اور ہر فریق کے پاس اپنی دلیل ہے جس کی بنیاد خاص طور پر نجاشی کے واقعے پر ہے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا انتقال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ان کی وفات کی خبر دی اور صحابہ کے ساتھ صفیں بنا کر ان کا جنازہ پڑھا، یہ واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اختلاف اس واقعے کی تشریح میں ہے کہ یہ عمل عام حکم ہے یا نجاشی کے ساتھ خاص تھا یا اس کی کوئی اور توجیہ ہے۔ ذیل میں اس مسئلے کی تمام بڑی آراء ان کے دلائل سمیت غیر جانبدارانہ علمی انداز میں پیش کی گئی ہیں۔ یہ خالص تعلیمی بیان ہے، کسی معاملے میں عملی فتویٰ مستند مفتیان و اہل علم ہی سے لیا جائے، طالب علم کا کام مختلف آراء کو دیانت سے نقل کرنا ہے، کسی فریق پر حکم لگانا نہیں۔

پہلی رائے: غائبانہ جنازہ مشروع نہیں، نجاشی کا واقعہ خاص تھا

فقہائے احناف اور مالکیہ کی مشہور رائے یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ عام حکم کے طور پر مشروع نہیں اور نجاشی کا واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا نجاشی کی شخصیت کے ساتھ خاص تھا۔ اس رائے کے دلائل کئی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ نجاشی حبشہ میں تنہا مسلمان حکمران تھے، ان کے ملک میں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں تھا، اس خصوصیت کی وجہ سے مدینہ میں ان کا جنازہ پڑھا گیا، لہٰذا جہاں میت کا جنازہ اس کے مقام پر پڑھا جا چکا ہو وہاں یہ قیاس لاگو نہیں ہوتا۔ دوسری دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ بعض روایات و شروح کے مطابق اس موقع پر نجاشی کی میت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بصورت کشف حاضر کر دی گئی تھی، یعنی معاملہ عام غائبانہ صورت سے الگ تھا، اس لیے اسے عام غائب پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تیسری دلیل عملی تعامل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں بے شمار صحابہ دور دراز علاقوں میں شہید و وفات پاتے رہے، جنگوں کے شہداء اور مختلف علاقوں کے مسلمان اس میں شامل ہیں، لیکن نجاشی کے سوا کسی کا غائبانہ جنازہ پڑھنے کا عمل بطور عام معمول ثابت نہیں۔ چوتھی دلیل یہ اصولی نکتہ ہے کہ نماز جنازہ کی مشروع صورت میت کی موجودگی سے جڑی ہے، جس طرح دیگر عبادات کی ہیئتیں توقیفی ہیں اسی طرح جنازے کی ہیئت بھی نص و تعامل سے ثابت صورت پر رہے گی۔ اس رائے کے قائلین ایک صورت میں نرمی بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کا جنازہ کہیں پڑھا ہی نہ گیا ہو تو بعض متأخر اہل علم نے اس صورت کو نجاشی کی علت سے قریب سمجھ کر اس پر گفتگو کی ہے، مگر عمومی مشہور موقف احناف و مالکیہ کا یہی ہے کہ غائبانہ جنازہ عام طور پر نہ پڑھا جائے۔ اس موقف کو لکھتے وقت طالب علم یہ واضح کرے کہ یہ بھی اجتہادی رائے ہے جس کے پیچھے دلائل ہیں، اس پر عمل کرنے والوں پر تنقید یا تضحیک علمی ادب کے خلاف ہے۔

دوسری رائے: غائبانہ جنازہ مشروع ہے — نجاشی کی حدیث عام ہے

فقہائے شافعیہ اور حنابلہ کی مشہور رائے یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہے اور دوسرے شہر یا ملک میں موجود میت کے لیے اس جگہ جنازہ پڑھا جا سکتا ہے جہاں وہ موجود نہیں۔ اس رائے کی بنیادی دلیل نجاشی ہی کی حدیث ہے جس کا مفہوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی وفات کی خبر دی، صف بندی کرائی اور چار تکبیریں کہہ کر جنازہ پڑھا۔ اس فریق کا کہنا ہے کہ اصول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل امت کے لیے نمونہ و حکم ہوتا ہے اور خصوصیت کا دعویٰ بغیر دلیل کے قبول نہیں کیا جا سکتا،

جب دلیل موجود نہیں تو عمل کو عام ہی رکھا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ کی اصل غرض میت کے لیے دعا و استغفار ہے اور دعا غائب کے لیے بھی ہو سکتی ہے، بلکہ حدیث میں ہی اس واقعے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ تمہارا بھائی فوت ہو گیا ہے اس کے لیے استغفار کرو، اس سے مقصد کا عام ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ اس رائے کے قائلین بعض شرائط بھی لگاتے ہیں، مثلاً بعض کے نزدیک یہ اسی میت کے لیے ہو جس کا جنازہ نہ پڑھا گیا ہو، اور بعض کے نزدیک جنازہ پڑھے جانے کے بعد بھی مقررہ مدت کے اندر غائبانہ جنازہ جائز ہے، اس مدت کی تعیین میں بھی ان کے ہاں تصریح ہے۔ نماز کا طریقہ عام جنازے ہی کی طرح ہے: چار تکبیریں، پہلی کے بعد سورہ فاتحہ اس مکتب فکر کے معمول کے مطابق، درود، میت کے لیے دعا اور سلام۔ اس رائے پر آج دنیا کے بہت سے علاقوں میں عمل بھی ہوتا ہے، خصوصاً جب کوئی بڑی دینی یا ملی شخصیت دوسرے ملک میں وفات پائے یا حادثات میں دور کے علاقوں کے مسلمان شہید ہوں تو غائبانہ جنازے پڑھے جاتے ہیں۔ اس رائے کو بیان کرتے ہوئے بھی وہی علمی توازن لازم ہے کہ اس کے قائلین بھی حدیث ہی کو دلیل بناتے ہیں۔

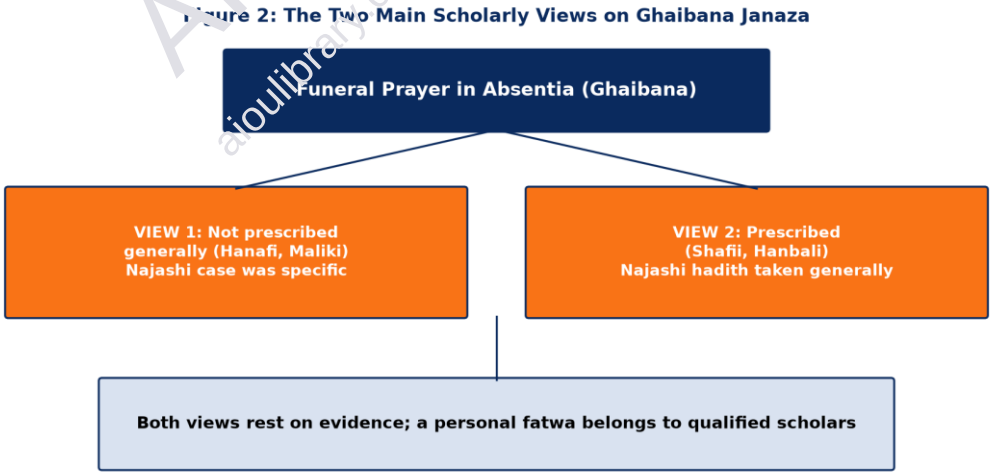

شکل 2: غائبانہ نماز جنازہ پر دو بڑی آراء — خلاصہ خاکہ

تیسری اور درمیانی آراء: تفصیل پسند موقف

ان دو بڑی آراء کے علاوہ اہل علم میں بعض درمیانی و تفصیلی موقف بھی ملتے ہیں جن کا ذکر طالب علم کے نوٹ کو مکمل بناتا ہے۔ ایک موقف امام ابن تیمیہ اور بعض محققین سے منقول اس مفہوم کا ہے کہ اگر میت کا جنازہ اس جگہ نہ پڑھا گیا ہو جہاں وہ فوت ہوا تو غائبانہ جنازہ پڑھا جائے گا کیونکہ نجاشی کی علت یہی تھی، اور اگر اس کا جنازہ وہاں پڑھا جا چکا ہو تو پھر غائبانہ جنازہ کی ضرورت و مشروعیت باقی نہیں رہتی، کیونکہ فرض کفایہ ادا ہو چکا۔ یہ موقف دونوں فریقوں کے دلائل کو جمع کرنے کی کوشش ہے۔ ایک اور تفصیل بعض اہل علم یہ بیان کرتے ہیں کہ عام افراد کے بجائے صرف ایسی میت کے لیے غائبانہ جنازہ پڑھا جائے جو مسلمانوں کے لیے نمایاں دینی خدمت رکھتی ہو یا جس کے جنازے میں شرکت سے امت میں اخوت کا مقصد حاصل ہو، ورنہ ہر میت کے لیے ہر جگہ جنازے کا سلسلہ جنازے کی اصل حکمت سے دور ہو جائے گا۔ بعض حضرات مدت کی شرط لگاتے ہیں، مثلاً وفات کے ایک ماہ کے اندر اندر وغیرہ، جس کی بنیاد نجاشی کے واقعے کے زمانی حالات پر قیاس ہے۔ ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے جس میں ہر گروہ نے نص کو اپنے اصول سے سمجھا ہے۔ علمی دیانت یہ ہے کہ ان آراء کو ان کے درجات کے ساتھ لکھا جائے اور یہ فیصلہ کہ کس رائے پر عمل کرنا ہے ہر مسلمان اپنے مستند اہل علم و مکتب فکر کی رہنمائی سے کرتا ہے۔ اختلاف رائے کی یہ وسعت امت کے لیے رحمت اسی وقت بنتی ہے جب اسے ادب و رواداری کے ساتھ برتا جائے۔

جدول 1: غائبانہ نماز جنازہ — آراء کا تقابلی خلاصہ

بنیادی دلیل / توجیہ	قائلین (مشہور نسبت)	رائے
نجاشی کا واقعہ خاص؛ جنازے کی شرط میت کی موجودگی؛ تعامل میں عموم نہیں	احناف، مالکیہ	عام طور پر مشروع نہیں
نجاشی کی حدیث عام؛ اصل غرض دعائے مغفرت؛ خصوصیت پر دلیل نہیں	شافعیہ، حنابلہ	مشروع و جائز ہے

جہاں جنازہ نہ پڑھا گیا ہو وہاں پڑھا جائے؛ فرض کفایہ ادا ہو چکا ہو تو نہیں	بعض محققین، مثلاً ابن تیمیہ سے منقول موقف	تفصیلی / درمیانی

اختلاف سے نمٹنے کے آداب اور حاصل کلام

اس مسئلے سے طالب علم کو سب سے بڑا سبق اختلاف کے آداب کا ملتا ہے۔ دونوں فریق قرآن و حدیث کے ماننے والے اہل علم ہیں، اس لیے کسی فریق کو گمراہ یا بدعتی کہنا اس امتحانی نوٹ کا نہ موضوع ہے نہ کسی طالب علم کا حق ہے۔ دوم یہ کہ نماز جنازہ کی اصل روح یعنی میت کے لیے دعا و استغفار پر سب متفق ہیں، اختلاف صرف ایک خاص ہیئت کی مشروعیت میں ہے۔ سوم یہ کہ عوامی سطح پر فتنہ و انتشار سے بچنا خود شریعت کی حکمت ہے، اس لیے عملی فیصلہ ہمیشہ مقامی مستند علماء کی ہدایت سے جڑا رہنا چاہیے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازے میں اہل علم کی دو بڑی آراء ہیں: احناف و مالکیہ کے نزدیک یہ عام طور پر مشروع نہیں اور نجاشی کا واقعہ خصوصی نوعیت کا تھا، جبکہ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک نجاشی کی حدیث کی بنیاد پر یہ مشروع ہے، اور بعض محققین نے درمیانی تفصیل اختیار کی ہے کہ جہاں جنازہ نہ پڑھا گیا ہو وہاں غائبانہ پڑھا جائے۔ ہر رائے اپنے دلائل رکھتی ہے۔ یہ جواب خالص تعلیمی مقصد سے مرتب کیا گیا ہے، کسی خاص واقعے یا شخص پر ان آراء کا اطلاق اور عملی فتویٰ صرف اہل علم و مفتیان کا کام ہے، ان ہی سے رجوع کیا جائے۔

سوال نمبر 2: سائلین کے ساتھ سلوک — نوٹ

سوال نمبر 2: سائلین کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ اس موضوع پر ایک نوٹ قلم بند کیجیے۔ (20 نمبر)

تعارف

سائل سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی حاجت لے کر دوسرے کے سامنے سوال کرے، مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلائے یا کسی صورت اپنی ضرورت پیش کرے۔ ہر معاشرے میں سائلین موجود ہوتے ہیں: کچھ حقیقی مصیبت زدہ ہوتے ہیں جن کی روزی کا سلسلہ ٹوٹ چکا ہوتا ہے، کچھ وقتی حادثے کا شکار ہوتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پیشے کے طور پر مانگنے کو اختیار کر لیتے ہیں۔ شریعت نے اس موضوع کو دو طرفہ سے متوازن انداز میں بیان کیا ہے: ایک طرف سائل کے ساتھ نرمی، عزت اور حتی الوسع مدد کا حکم دیا ہے اور اسے جھڑکنے سے سختی سے روکا ہے، دوسری طرف بلا ضرورت مانگنے کی مذمت کی ہے اور محنت و خودداری کی ترغیب دی ہے۔ سوال میں سائلین کے ساتھ سلوک پر نوٹ مانگا گیا ہے اس لیے یہ جواب اسی پہلو پر مرکوز ہے کہ دینے والے اور معاشرے کو سائل کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے، قرآن و حدیث کے مفاہیم کی روشنی میں۔ ذیل میں سائل کو نہ جھڑکنے کا حکم، خالی ہاتھ نہ لوٹانے کا ادب، سائل کے جائز و ناجائز سوال کی پہچان، پیشہ ور بھیک کے مسئلے کا توازن، زکوٰۃ و صدقے کے ادارہ جاتی نظام اور معاشرتی ذمہ داریوں کو الگ الگ عنوانات میں بیان کیا گیا ہے تاکہ نوٹ جامع بھی ہو اور عملی بھی۔

بنیادی حکم: سائل کو نہ جھڑکنا اور نرمی سے جواب دینا

سائل کے ساتھ سلوک کی بنیاد قرآن مجید کی وہ آیت ہے جس کا مفہوم ہے کہ سائل کو جھڑکا نہ کرو۔ یہ سورہ الضحیٰ کی آیت ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی نعمتیں گنوا کر یہ ہدایت دی گئی کہ یتیم پر سختی نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا۔ مفسرین نے اس خطاب کو امت کے لیے عام ہدایت قرار دیا ہے کہ مانگنے والا اگر دینے کے قابل نہ بھی سمجھا جائے تو اسے ڈانٹ ڈپٹ، طنز یا تحقیر کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ خالی لوٹانا اگر مجبوری ہو تو نرم لفظوں میں معذرت کرنا ہی قرآنی ادب ہے۔ قرآن میں اہل ایمان کی صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہوتا ہے، یہ مضمون سورہ ذاریات اور سورہ معارج میں آیا ہے۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ سائل کا معاشرے پر ایک اخلاقی و مالی حق ہے اور یہ کہ دینے والا احسان نہیں کرتا بلکہ حق ادا کرتا ہے۔ احادیث میں بھی سائل کو کچھ نہ کچھ دینے کی ترغیب آئی ہے، مفہوم یہ ہے کہ سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ اگرچہ جلا ہوا کھرا ہی کیوں نہ ہو، یعنی معمولی چیز دے کر بھی اس کی دلجوئی کر دو تاکہ وہ ذلیل ہو کر نہ جائے۔ ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ مسلمان وہ

ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، سائل کو گالی دینا یا اس کی غربت کا مذاق اڑانا اسی بنیادی تعریف کے خلاف ہے۔ اس لیے پہلا اصول یہ طے ہوا کہ سائل کے ساتھ لہجہ نرم، رویہ باعزت اور جواب انسانیت والا ہو، دینا یا نہ دینا اس کے بعد کا مرحلہ ہے۔

کچھ نہ کچھ دینا، عزت نفس کی حفاظت اور سائل کی دلجوئی

دوسرا اصول عملی مدد ہے۔ صاحب استطاعت کو چاہیے کہ سائل کی حاجت کے مطابق اس کی مدد کرے، نقدی ہو یا کھانا، کپڑا ہو یا علاج و کرایہ جیسی اصل ضرورت کی طرف رہنمائی۔ مدد کرتے وقت سائل کی عزت نفس کی حفاظت بھی سلوک کا اہم حصہ ہے۔ سر راہ مجمع کے سامنے اس کی بے بسی کا اعلان نہ کیا جائے، اس سے اس کی کہانی سن کر تماشا نہ بنایا جائے، اور احسان جتلا کر اس کے ثواب کو ضائع نہ کیا جائے، کیونکہ قرآن نے صدقے کے بعد احسان جتلانے اور تکلیف دینے کو صدقہ باطل کرنے کے مترادف قرار دیا ہے اور اس کے مقابلے میں نرم بات اور درگزر کو بہتر صدقہ کہا ہے، یہ مضامین سورہ بقرہ میں واضح الفاظ میں آئے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ ادب بھی سکھایا گیا ہے کہ جو سائل دین کے نام پر یا کسی مجبوری کے نام پر سوال کرے اس کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے۔ اللہ کے نام پر مانگنے والے کے متعلق احادیث میں خاص تاکید آئی ہے کہ اسے کچھ دیا جائے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے نام کی تعظیم میں سائل کی دلجوئی بھی داخل ہے، اگرچہ پوری تفصیلی جانچ ممکن نہ ہو۔ چھپا کر دینا اعلان کر کے دینے سے افضل رکھا گیا ہے تاکہ سائل کی خودداری بچی رہے اور دینے والے کا اخلاص سلامت رہے۔ مستقل سائلین یعنی اپنے محلے کے معلوم ضرورت مندوں کے لیے ماہانہ راشن یا مقررہ مدد کا نظام بنانا ایک دفعہ کی امداد سے بہتر ہے کیونکہ اس سے وہ بار بار ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچ جاتے ہیں اور یہی وہ تربیت ہے جس کی طرف احادیث میں ان لوگوں کی فضیلت سے اشارہ ملتا ہے جو خوددار غریب کی تلاش کر کے اس تک اس کا حق پہنچاتے ہیں۔

پہچان کا توازن: حقیقی حاجت مند، پیشہ ور بھیک اور دھوکا

تیسرا پہلو توازن کا ہے۔ اسلام نے سائل کے ساتھ نرمی کے ساتھ ساتھ یہ بھی سکھایا ہے کہ بلا ضرورت مانگنا اچھا عمل نہیں۔ احادیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے مانگتا پھرے وہ دراصل آگ کے انگارے مانگتا ہے، اور یہ کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ایک روایت کا مفہوم ہے کہ جس کے پاس ایک دن یا

ایک رات کی خوراک کے بقدر موجود ہو اس کے لیے مانگنا جائز نہیں رہتا، الا یہ کہ کوئی اچانک مصیبت آ پڑے۔ ان تعلیمات کا مقصد سائل کی تحقیر نہیں بلکہ بھیک کے پیشے کی حوصلہ شکنی اور خودداری و محنت کی فضا بنانا ہے۔ دینے والے کے لیے عملی توازن یہ ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو تحقیق کرے: معلوم سائل کی اصل ضرورت جانے، بڑی رقم بے جا نقد دینے کے بجائے اصل حاجت پوری کرے جیسے راشن خرید کر دینا یا بچوں کی فیس ادا کرنا، اور منظم رفاہی اداروں کو بھی اپنا حصہ دے جو ضرورت مندوں کی تصدیق کا نظام رکھتے ہیں۔ دھوکے باز پیشہ ور سے بچنا بھی مال کی امانت کا تقاضا ہے، کیونکہ صدقہ و زکوٰۃ کا مال غلط جگہ لگے تو حقیقی مستحق محروم رہ جاتا ہے۔ مگر تحقیق کی یہ ساری احتیاط نرمی و ادب کے دائرے ہی میں رہے گی، شبہ کی بنیاد پر ہر سائل کو جھڑک دینا قرآنی حکم کے خلاف ہے۔ فیصلے کا پیمانہ یہ رکھا جائے کہ چھوٹی مدد میں حسن ظن غالب ہو اور بڑی و مستقل مدد میں جانچ غالب ہو، اور ہر صورت لہجہ شائستہ رہے۔

جدول ۱: سائلین کے ساتھ سلوک کے اصول — خلاصہ

دینی بنیاد کا مفہوم	عملی صورت	اصول
سورہ الضحیٰ: سائل کو نہ جھڑکو	نرم جواب؛ نہ دینا ہو تو باعزت معذرت	نہ جھڑکنا
سائل کو خالی نہ لوٹانے کی ترغیب کی روایات	حسب استطاعت مدد؛ معمولی چیز بھی دلجوئی کے لیے	کچھ نہ کچھ دینا
احسان جتلانے سے صدقہ باطل ہونے کی قرآنی تنبیہ	چھپا کر دینا؛ احسان نہ جتلانا؛ تماشا نہ بنانا	عزت کی حفاظت
مال میں سائل و محروم کے حق کا قرآنی ذکر	مستحق کی تلاش؛ منظم مدد و ادارہ جاتی نظام	سائل و محروم کا حق
بلا ضرورت مانگنے کی مذمت کی روایات	بڑی مدد میں جانچ؛ پیشہ ور بھیک کی حوصلہ شکنی	توازن و تحقیق

معاشرتی و ادارہ جاتی ذمہ داری اور حاصل کلام

سائلین کا مسئلہ صرف انفرادی اخلاق سے حل نہیں ہوتا، یہ معاشرے کے نظام سے بھی جڑا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کی صورت میں مستحقین کا باقاعدہ حق مقرر کیا ہے جس کے مصارف میں فقراء و مساکین سرفہرست ہیں، اس لیے اگر زکوٰۃ دیانت سے ادا ہو اور صحیح مستحقین تک پہنچے تو سڑک پر مانگنے والوں کی تعداد خود کم ہو جائے۔ اسی طرح محلے و مسجد کی سطح پر صندوق، راشن لسٹ اور مریضوں کی امداد کے چھوٹے نظام سائل کو در در پھرنے سے بچاتے ہیں۔ ریاست و اداروں کی ذمہ داری یہ ہے کہ بے روزگار کو روزگار، بیمار کو علاج اور بچوں کو تعلیم کی راہ دی جائے، کیونکہ مانگنے کی جڑ غربت و مجبوری ہے اور اس کا علاج عارضی بھیک سے زیادہ مستقل ذریعہ معاش ہے۔ سائل کو کام کرنے کے قابل ہونے کی صورت میں کام کی طرف رہنمائی کرنا بھی اسی اچھے سلوک میں داخل ہے جو احادیث کے اس مفہوم سے نکلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کو کلہاڑی دلا کر لکڑیاں بیچنے کا کام سکھایا تھا، یہ واقعہ سنن ابو داؤد میں آیا ہے اور معاشی خودداری کی تعلیم کا بہترین نمونہ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سائل کے ساتھ سلوک کا اسلامی منہج تین لفظوں میں سمٹ آتا ہے: نرمی، عزت اور ذمہ دارانہ مدد۔ نہ جھڑکنا، حسب استطاعت کچھ نہ کچھ دینا، اس کی خودداری کی حفاظت کرنا، بڑی مدد میں پرکھ رکھنا اور معاشرے میں زکوٰۃ و رفاہ کا منظم نظام قائم کرنا، یہ سب اسی نوٹ کے اجزا ہیں۔ جو شخص یہ رویہ اختیار کرتا ہے وہ قرآنی حکم کی پیروی بھی کرتا ہے اور ایک انسان کی بگڑی ہوئی زندگی سنوارنے کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔

سوال نمبر 3: صوم کے لغوی و اصطلاحی معنی — تفصیلی بیان

سوال نمبر 3: صوم کے لغوی و اصطلاحی معنی کیا ہیں؟ تفصیل سے بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

صوم اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے اور رمضان المبارک کے روزے ہر بالغ، عاقل اور مقیم مسلمان پر فرض ہیں۔ کسی بھی شرعی اصطلاح کو سمجھنے کا علمی طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کا لغوی معنی جانا جائے، پھر اس کی شرعی و اصطلاحی تعریف متعین کی جائے اور پھر دونوں کے باہمی تعلق کو واضح کیا جائے۔ صوم کے معاملے میں بھی یہی ترتیب کارآمد

ہے کیونکہ اس کا لغوی معنی ہی اس کی اصطلاحی حقیقت کی روح کو سمجھاتا ہے کہ روزہ دراصل رکنے اور اپنے آپ کو روکنے کا نام ہے، کھانے پینے سے بھی اور گناہوں سے بھی۔ قرآن مجید میں روزوں کی فرضیت کا اعلان سورہ بقرہ میں اس طرح کیا گیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔ اس آیت سے روزے کا مقصد یعنی تقویٰ بھی سامنے آتا ہے اور اس کی قدیم تاریخ بھی کہ یہ عبادت پچھلی امتوں میں بھی موجود تھی۔ سوال میں صرف لغوی و اصطلاحی معنی تفصیل سے بیان کرنے کو کہا گیا ہے، اس لیے اس جواب میں لغوی بحث، عربی مصادر و استعمالات، شرعی تعریف کے اجزا کو ایک ایک کر کے کھولنا، اور پھر تعریف کے ہر جز کی فقہی اہمیت اور تقویٰ سے اس کے تعلق کو بیان کیا گیا ہے۔

لغوی معنی: رکنا، باز رہنا اور امساک

صوم عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ص و م ہے اور لغت میں اس کے بنیادی معنی ہیں رکنا، رک جانا، کسی چیز سے باز رہنا اور اپنے آپ کو روک لینا یعنی امساک۔ عربی لغت کی مشہور کتابوں میں صام یصوم صوماً و صیاماً کے معنی کسی کام سے رک جانے کے بیان ہوئے ہیں، چاہے وہ کھانے سے رکنا ہو، بولنے سے رکنا ہو یا چلنے سے رکنا ہو۔ اس عام لغوی تصور کی سب سے مشہور قرآنی مثال سورہ مریم میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ ہے جہاں ان کی طرف سے کہا گیا جس کا مفہوم ہے کہ میں نے رحمن کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، اس لیے آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ یہاں روزے سے مراد کھانے پینے کا روزہ نہیں بلکہ بولنے سے خاموشی کا رکنا ہے، اور یہی استعمال ثابت کرتا ہے کہ لغوی اعتبار سے صوم ہر قسم کے امساک و رکنے کو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی محاورے میں ہوا کے ٹھہر جانے اور دوپہر کے ٹھہراؤ کو بھی اس مادے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لغت کی اس وسعت سے یہ حقیقت نکلتی ہے کہ شرعی روزے میں کھانے پینے سے رکنا اصل کے طور پر اس لیے منتخب ہوا کہ یہ انسانی خواہشات پر سب سے بنیادی اور روزانہ کی روک ہے۔ صوم اور صیام دونوں ایک ہی مادے کے مصادر ہیں اور قرآن میں دونوں استعمال ہوئے ہیں، عام زبان میں دونوں کا اطلاق روزے ہی پر ہوتا ہے۔ طالب علم اگر لغوی معنی کو ایک جملے میں لکھنا چاہے تو یوں لکھے گا کہ لغت میں صوم کے معنی ہیں مطلقاً کسی چیز سے رک جانا اور اپنے آپ کو روک لینا۔

اصطلاحی معنی: شرعی تعریف

شریعت کی اصطلاح میں صوم کی تعریف فقہی کتابوں میں اس مفہوم کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ روزہ دار کا طلوع فجر یعنی صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ توڑنے والی چیزوں سے، نیت کے ساتھ، اپنے آپ کو روکے رکھنا صوم ہے۔ اس تعریف کے ہر جز کا ایک خاص فقہی کردار ہے جسے الگ الگ سمجھنا ضروری ہے۔ پہلا جز نیت ہے، یعنی دل میں یہ ارادہ کہ میں اللہ کے حکم پر روزہ رکھ رہا ہوں، کیونکہ حدیث کا مفہوم ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور رمضان کے روزے کے بارے میں مشہور حدیث کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت پختہ نہ کی اس کا روزہ نہیں، اس روایت کے پیش نظر رمضان کے روزے کی نیت رات کے وقت یا سحری کے وقت کر لینا ضروری سمجھا جاتا ہے، جبکہ اس نیت کے وقت و کیفیت کی تفصیلات فقہی کتب میں بیان ہیں۔ دوسرا جز وقت کی ابتدا ہے، یعنی صبح صادق۔ قرآن نے وقت کی حد اس طرح بیان فرمائی ہے جس کا مفہوم ہے کہ کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے واضح ہو جائے پھر روزہ رات تک پورا کرو، اس لیے سحری کا اختتام اذان فجر کے عام اعلان سے پہلے کر لینا لازم آتا ہے۔ تیسرا جز وقت کی انتہا ہے، یعنی غروب آفتاب، اسی لیے افطار میں جلدی کی ترغیب احادیث میں آئی ہے۔ چوتھا جز ترک کردہ چیزوں کا دائرہ ہے جنہیں مفطرات کہا جاتا ہے، یعنی کھانا، پینا اور ازدواجی تعلق، اور وہ امور جو انہی کے حکم میں داخل ہیں۔ پانچواں جز روزہ دار کی اہلیت ہے، یعنی وہ مسلمان، بالغ، عاقل اور روزہ رکھنے کی استطاعت رکھنے والا ہو، حیض و نفاس کی حالت والی عورت کے لیے اس مدت میں روزہ نہ رکھنا اور بعد میں قضاء کا حکم بھی اسی تعریف کے نظام سے جڑا ہوا ہے۔

Figure 1: The Fasting Day - From True Dawn to Sunset



شکل 1: روزے کا دن: صبح صادق سے غروب آفتاب تک

تعریف کے اجزا کی فقہی اہمیت

اصطلاحی تعریف کے اجزا محض لفظی خانے نہیں، ان میں سے ہر ایک عملی مسائل کی بنیاد ہے۔ نیت کا جز یہ سکھاتا ہے کہ روزہ عادت نہیں عبادت ہے، جو شخص رمضان میں معمول کے طور پر بھوکا رہے مگر روزے کی نیت نہ ہو اس کا بھوکا رہنا شرعی روزہ نہیں کہلائے گا۔ صبح صادق کی حد یہ سکھاتی ہے کہ روزہ گھڑی کے اعلان نہیں بلکہ شرعی وقت سے شروع ہوتا ہے، اسی لیے کیلنڈر و اذان میں احتیاط برتی جاتی ہے اور شک والے وقت میں کھانے پینے سے رک جانا احتیاط کا تقاضا ہے۔ غروب کی حد افطار کے مسائل کو متعین کرتی ہے کہ بادل کی وجہ سے وقت کا غلبہ ظن حاصل ہو تو افطار کیا جاتا ہے۔ مفطرات کا جز روزے کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے سیکڑوں جدید و قدیم مسئلوں کا دروازہ ہے، مثلاً بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا چنانچہ حدیث کا مفہوم ہے کہ جس نے بھول کر کھا پی لیا وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا پلایا ہے، یہ روایت صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔ اسی جز سے قضا و کفارے کے احکام نکلتے ہیں کہ کس صورت میں صرف قضا لازم آتی ہے اور کس میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی۔ اہلیت کا جز سفر و بیماری کی رخصتوں سے جڑا ہے، چنانچہ قرآن نے مریض و مسافر کے لیے دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان تمام مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصطلاحی تعریف روزے کے پورے فقہی نظام کا نقشہ ہے، اسے یاد کرنا دراصل روزے کے مسائل کی کنجی حاصل کرنا ہے۔

جدول 1: صوم — لغوی و اصطلاحی معنی کا تقابل

پہلو	لغوی معنی	اصطلاحی معنی
بنیادی مفہوم	مطلقاً رک جانا، باز رہنا، امساک	نیت کے ساتھ صبح صادق سے غروب تک مفطرات سے رکنا
دائرہ	کھانا، بولنا، چلنا، ہر چیز سے رکنا شامل	روزہ توڑنے والی مخصوص چیزوں سے رکنا
مثال	سورہ مریم: خاموشی کا روزہ	رمضان و نفل و قضا و کفارے کے روزے

فرض عبادت، اسلام کا رکن، مخصوص شرائط کے ساتھ	لفظ کا عام استعمال	شرعی حیثیت

روزے کی روح: تقویٰ اور حاصل کلام

لغوی و اصطلاحی معنی کی بحث اس کے بغیر نامکمل رہے گی کہ روزے کی روح بیان نہ کی جائے۔ فرضیت والی آیت نے روزے کا مقصد تقویٰ بتایا ہے اور حدیث کا مفہوم ہے کہ جس نے جھوٹ اور اس پر عمل نہ چھوڑا اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں، یہ روایت صحیح بخاری میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاحی روزہ اگرچہ مفطرات سے رکنے کا نام ہے، مگر اس کی قبولیت و کمال کا تعلق زبان، آنکھ، کان اور دل کو گناہوں سے روکنے سے ہے، یعنی لغوی معنی کی وسعت اپنے پورے عموم کے ساتھ روزے کی روح میں واپس آ جاتی ہے کہ اصل روزہ دار وہ ہے جو ہر اس چیز سے رک جائے جس سے اس کا رب روکے۔ اسی مفہوم میں روزے کو گناہوں سے ڈھال بھی کہا گیا ہے جیسا کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ روزہ ڈھال ہے۔ روزے کا اجر بھی اسی عظمت کے مطابق خاص ہے، حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزے کے، وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، یہ روایت صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صوم لغت میں مطلق رکنے و باز رہنے کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد نیت کے ساتھ صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ توڑنے والی چیزوں سے رکنا ہے۔ اس تعریف کے پانچ اجزا یعنی نیت، ابتدا و انتہائے وقت، مفطرات کا ترک اور اہلیت پورے باب روزہ کی بنیاد ہیں، اور ان اجزا کو تقویٰ کی روح کے ساتھ جوڑ دینے سے روزہ محض ایک فقہی عمل نہیں بلکہ زندگی بدلنے والی تربیت بن جاتا ہے۔ مزید تفصیلی مسائل کے لیے اپنی درسی کتاب و مستند اہل علم کی طرف رجوع کیا جائے۔

سوال نمبر 4: مسجد نبوی کی فضیلت — احادیث مبارکہ کی روشنی میں

سوال نمبر 4: احادیث مبارکہ کی روشنی میں مسجد نبوی کی فضیلت بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

مسجد نبوی مدینہ منورہ میں واقع وہ عظیم مسجد ہے جس کی بنیاد ہجرت کے بعد خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور اس کی تعمیر میں بنفس نفیس حصہ لیا۔ یہ مسجد صرف ایک عمارت نہیں بلکہ اسلام کا پہلا مرکز، پہلی درسگاہ، پہلی مجلس شوریٰ اور امت کی تربیت کا وہ گہوارہ ہے جہاں سے دین پوری دنیا میں پھیلا۔ قرآن مجید نے اس مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس مسجد کی تعریف کی ہے جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اس میں کھڑے ہونا زیادہ لائق ہے، یہ مضمون سورہ توبہ میں آیا ہے اور مفسرین کی اکثریت نے اس سے مسجد نبوی اور بعض نے مسجد قبا مراد لی ہے، دونوں مسجدیں مدینے کی فضیلت کا حصہ ہیں۔ احادیث مبارکہ میں مسجد نبوی کی فضیلت کے کئی پہلو بیان ہوئے ہیں: وہاں نماز کا ہزار گنا ثواب، ریاض الجنہ کا ٹکڑا، مدینے کی حرمت و برکت، اس میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی نسبت، اور روضہ اطہر کے قریب درود و سلام کا شرف۔ سوال میں اسی فضیلت کو احادیث کی روشنی میں بیان کرنے کا کہا گیا ہے۔ ذیل میں ان پہلوؤں کو الگ الگ عنوانات میں، روایات کے مفاہیم کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور آخر میں مدینہ منورہ کی عمومی فضیلت و زائر کے آداب کا مختصر ذکر اور حاصل کلام دیا گیا ہے۔

نماز کا ہزار گنا ثواب

مسجد نبوی کی سب سے مشہور فضیلت نماز کے ثواب کی کثرت ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث کا مفہوم ہے کہ میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، کیونکہ مسجد حرام کی فضیلت اس سے بھی زیادہ ہے کہ وہاں ایک نماز کا ثواب لاکھ نمازوں کے برابر بیان ہوا ہے۔ اس ایک حدیث نے مسجد نبوی کو دنیا کی تمام مسجدوں میں مسجد حرام کے بعد سب سے بلند مقام دے دیا۔ اس ثواب کی کثرت کی حکمت یہ سمجھائی گئی ہے کہ یہ نماز اس جگہ ادا ہوتی ہے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمازیں پڑھیں، وحی اتری، صحابہ کی صفیں بنیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات وجود میں آئیں۔ زائر کے لیے اس فضیلت کا عملی مطلب یہ ہے کہ مدینے کے قیام میں پنج وقتہ نمازیں مسجد نبوی ہی میں ادا کرنے کا خاص اہتمام کیا جائے، حتیٰ کہ بہت سے اہل علم نے چالیس نمازوں والی روایت کا بھی ذکر کیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھے کہ کوئی نماز فوت نہ ہو اس کے لیے جہنم و نفاق سے براءت لکھ دی جاتی ہے، یہ روایت مسند احمد میں آئی ہے اور اس کی

سند پر محدثین کے یہاں گفتگو بھی موجود ہے، اس لیے محتاط طالب علم اسے فضائل کے باب میں ترغیب کے طور پر لکھے اور قطعی درجہ دینے سے رکے۔ بہر صورت مسلم و بخاری والی بنیادی فضیلت یعنی ہزار نمازوں کا ثواب قطعی طور پر ثابت ہے اور اسی پر زائر کا اہتمام قائم رہنا چاہیے۔

ریاض الجنہ اور منبر نبوی کی فضیلت

مسجد نبوی کے اندر ایک خاص مقام کو روضہ یا ریاض الجنہ کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث کا مفہوم ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو آج روضہ جالیوں کے قریب مصلی نبوی و منبر کے درمیان محفوظ ہے اور دنیا بھر کے زائرین وہاں دو رکعت پڑھنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس حدیث کے مفہوم میں اہل علم نے کئی توجیہات بیان کی ہیں کہ یہ جگہ حقیقتاً جنت کا ٹکڑا ہے جو وہاں منتقل ہو گا، یا یہ کہ یہاں کی عبادت جنت کے باغوں تک پہنچاتی ہے، یا یہ کہ یہ مقام اپنی برکت و سکینت میں جنت کے باغ جیسا ہے، ہر صورت اس مقام کی عظمت مسلم ہے۔ اسی حدیث میں منبر نبوی کا ذکر بھی آیا ہے اور ایک اور روایت کا مفہوم ہے کہ میرا منبر قیامت کے دن میرے حوض پر ہو گا، یعنی منبر نبوی کو بھی آخرت سے ایک خاص نسبت حاصل ہے۔ اس جگہ کے آداب یہ ہیں کہ اگر با آسانی موقع ملے تو وہاں نوافل ادا کیے جائیں، مگر دھکم پیل، دوسروں کو تکلیف اور انتظامی نظام کی خلاف ورزی کر کے وہاں پہنچنا اس عبادت کی روح کے خلاف ہے، کیونکہ کسی مسلمان کو تکلیف دینا خود گناہ ہے اور فضیلت گناہ کے راستے سے حاصل کرنا مناسب نہیں۔ مسجد نبوی کی توسیعات کے بعد ریاض الجنہ کی حدود موجودہ نشانات سے پہچانی جاتی ہیں اور زائر کو چاہیے کہ وہ موجودہ انتظام کے مطابق وہاں حاضری دے۔

تین مسجدوں کی طرف سفر اور مدینے کی حرمت

مسجد نبوی کی فضیلت اس مشہور حدیث سے بھی جڑی ہے جس کا مفہوم ہے کہ تین مسجدوں کے سوا کسی کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں یعنی عبادت کی نیت سے خصوصی سفر نہ کیا جائے: مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔ اس حدیث نے مسجد نبوی کو ان تین مقدس مسجدوں میں شامل کر دیا جن کی زیارت کا سفر خود عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سفر کی نیت مسجد و نبی شہر کی حاضری ہونی چاہیے، یہی مدینے کے قیام کی اصل ہے۔ مدینہ منورہ کی حرمت و برکت کی فضیلت بھی

احادیث میں بہت نمایاں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کو حرم قرار دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی حدود میں ظلم و زیادتی اور اس کے درخت و شکار وغیرہ کے بارے میں وہی ادب ملحوظ رکھا جائے جو حرمین کے لیے خاص ہے اور آپ نے مدینے والوں کے لیے برکت کی دعائیں فرمائیں۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ مدینہ خبث یعنی برائی کو اس طرح الگ کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو الگ کر دیتی ہے، اور یہ بھی فرمایا گیا کہ ایمان مدینے کی طرف اس طرح سمٹ کر آئے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ آتا ہے، یہ روایات صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ مسجد نبوی اسی مقدس شہر کا قلب ہے اور اس کی فضیلت کا ایک بڑا حصہ مدینے کی مجموعی فضیلت ہی سے وابستہ ہے، چنانچہ قیام مدینہ میں شہر کے ہر مقام کا ادب، اہل مدینہ سے محبت اور وہاں گناہوں سے خاص پرہیز زائر کے سلوک کا حصہ ہونا چاہیے۔

جدول 1: مسجد نبوی کی فضائل — خلاصہ

فضیلت	حدیث کا مفہوم	زائر کے لیے ہدایت
نماز کا عظیم ثواب	ایک نماز دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل	تمام نمازیں مسجد نبوی میں ادا کرنے کا اہتمام
ریاض الجنہ	گھر و منبر کے درمیان جنت کا باغ	بآسانی موقع ملے تو نوافل؛ دھکم پیل سے پرہیز
تین عظیم مساجد	سفر صرف تین مسجدوں کی طرف مشروع خصوصی اہتمام سے	زیارت کی نیت مسجد و حاضری کی رکھنا
مدینے کی برکت	مدینہ حرم؛ ایمان اس کی طرف سمٹے گا	شہر و اہل شہر کا ادب، گناہوں سے خاص پرہیز
درود و سلام کی سعادت	روضہ اطہر کے قریب سلام پیش کرنا	ادب و خشوع سے سلام؛ شرکیہ و بدعتی امور سے اجتناب

روضہ اطہر پر حاضری کے آداب اور حاصل کلام

مسجد نبوی کی زیارت کا سب سے نازک حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضری اور سلام پیش کرنا ہے۔ قرآن مجید کی آیت کے مفہوم کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استغفار کا ذکر بھی آیا ہے اور امت کا مسلسل عمل یہ رہا ہے کہ زائر مواجہہ شریف کے سامنے کھڑا ہو کر ادب و خشوع سے درود و سلام پیش کرتا ہے، پھر سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر بھی سلام کہتا ہے۔ اس حاضری کے آداب میں آواز پست رکھنا بہت اہم ہے کیونکہ قرآن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور اہل علم نے اس ادب کو آپ کے روضے کے سامنے بھی جاری رکھا ہے۔ جالیوں کو بوسہ دینا، وہاں سجدہ کرنا یا حاجات کے لیے غیر اللہ کو پکارنا شرعی آداب کے خلاف ہے، زائر اپنی دعائیں اللہ ہی سے مانگے گا اور مسجد نبوی میں نوافل و تلاوت میں وقت گزارے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ احادیث کی روشنی میں مسجد نبوی دنیا کی دوسری افضل ترین مسجد ہے: یہاں کی ایک نماز ہزار نمازوں سے افضل ہے، یہاں ریاض الجنہ جیسا جنت کا باغ ہے، اس لیے صرف خصوصی سفر مشروع تین مسجدوں میں سے ہے اور یہ اس مقدس شہر کا قلب ہے جسے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم و برکت کا شہر قرار دیا۔ حدود زائر ادب، توحید کی پاکیزگی اور سنت کی پابندی کے ساتھ یہاں حاضری دیتا ہے وہ ان تمام فضیلتوں کا حصہ پاتا ہے۔ طالب علم اس جواب میں فضائل کو دلیلوں کے ساتھ لکھے اور آداب زیارت کے باب میں مستند رہنمائی کو بنیاد بنائے۔

سوال نمبر 5: عاریت اور غصب کی تشریح

سوال نمبر 5: عاریت اور غصب کی تشریح کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

عاریت اور غصب فقہ کے معاملات کے دو اہم باب ہیں جن کا تعلق دوسروں کے مال کے استعمال سے ہے۔ دونوں میں ایک شخص دوسرے کے مال سے نفع اٹھاتا ہے یا اس پر قابض ہوتا ہے، مگر دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے: عاریت مالک کی خوشی و اجازت سے بلا معاوضہ استعمال کا نام ہے جو نیکی و تعاون کی صورت ہے، جبکہ غصب مالک کی اجازت کے بغیر زبردستی یا ناحق قبضے کا نام ہے جو ظلم و گناہ اور مالی ضمان کا سبب ہے۔ اس جوڑے کو اکٹھا پڑھانے کی حکمت بھی یہی ہے کہ طالب علم جائز و ناجائز تصرف کی

سرحد کو پہچان لے۔ اسلام نے مال کی حرمت کو جان و عزت کی حرمت کے ساتھ رکھا ہے، چنانچہ خطبہ حجۃ الوداع کے مفہوم میں مسلمانوں کے مال و جان و عزت کو ایک دوسرے پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں پہلے عاریت کی تشریح کی گئی ہے، اس کی تعریف، شرائط، ارکان و احکام اور واپسی و ضمان کے اصول سمیت، پھر غصب کی تعریف، اس کا حکم، غاصب کے ذمے لازم امور اور اس کے شرعی و اخلاقی انجام کو بیان کیا گیا ہے، پھر دونوں کا تقابلی جدول اور آخر میں حاصل کلام پیش کیا گیا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ یہ تشریح تعلیمی ہے، کسی حقیقی تنازع کا فیصلہ عدالتوں اور مفتیان کرام کا کام ہے، یہاں کوئی اطلاق کسی شخص پر نہیں کیا جا رہا۔

عاریت: تعریف اور شرعی حیثیت

عاریت کے لغوی معنی عارضی طور پر مانگی ہوئی چیز سے جڑے ہیں اور فقہ کی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ کسی کو اپنی چیز کے نفع کا مالک بلا معاوضہ بنا دینا، اس طرح کہ اصل چیز مالک ہی کی ملکیت رہے اور استعمال کے بعد واپس کر دی جائے۔ مثلاً کسی کو کتاب پڑھنے کے لیے دینا، گاڑی ایک سفر کے لیے دینا، برتن یا اوزار ضرورت کے وقت عارضی طور پر دینا، یہ سب عاریت ہے۔ عاریت کی شرعی حیثیت مستحب و نیکی کا عمل ہے کیونکہ یہ ضرورت مند کی مدد اور باہمی تعاون ہے جس کا حکم قرآن نے نیکی و تقویٰ پر تعاون کی صورت میں دیا ہے۔ اس میں ہدیے سے فرق یہ ہے کہ ہدیے میں اصل چیز بھی دے دی جاتی ہے، جبکہ عاریت میں صرف نفع عارضی طور پر دیا جاتا ہے اور اصل چیز واپس لوٹتی ہے۔ کرائے سے اس کا فرق یہ ہے کہ کرائے میں نفع کا معاوضہ لیا جاتا ہے اور یہ اجارہ کہلاتا ہے، جبکہ عاریت بلا معاوضہ ہوتی ہے۔ عاریت کے بنیادی ارکان یہ ہیں کہ ایک فریق چیز دینے والا یعنی معیر ہو، دوسرا لینے والا یعنی مستعیر ہو، ایک وہ چیز ہو جو استعمال کے بعد باقی رہنے والی ہو اور اس سے نفع اٹھانا شرعاً جائز ہو، اور ایجاب و قبول یعنی دینے و لینے کا عمل ہو۔ وہ چیز جو استعمال سے ختم ہو جاتی ہے جیسے کھانا یا ایندھن، وہ عاریت نہیں ہو سکتی، اس کی صورت قرض بنتی ہے کیونکہ واپسی اسی جیسی چیز کی ہو گی۔ اسی طرح جس چیز کا استعمال ناجائز ہو اسے عاریت پر دینا بھی درست نہیں کیونکہ معصیت پر تعاون منع ہے۔

عاریت کے احکام: واپسی، مدت اور ضمان

عاریت کے اہم احکام درج ذیل ہیں۔ اول یہ کہ عاریت لازم معاہدہ نہیں، مالک جب چاہے اپنی چیز واپس طلب کر سکتا ہے اور مستعیر جب چاہے لوٹا سکتا ہے، الا یہ کہ اس اچانک واپسی سے مستعیر کو غیر معمولی نقصان پہنچے تو فقہی تفصیلات میں اس کی گنجائش و حدود بیان کی گئی ہیں۔ دوم یہ کہ مستعیر کے ہاتھ میں وہ چیز امانت ہوتی ہے، اس لیے اگر وہ چیز اس کی تعدی یا کوتاہی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں آتا، اور اگر اس نے تعدی کی ہو مثلاً چیز اس کام سے ہٹ کر استعمال کی جس کے لیے لی تھی، یا حفاظت میں صریح کوتاہی کی ہو تو ضمان لازم آتا ہے، یہی مشہور فقہی قاعدہ ہے جس میں مکاتب فکر کی بزوی تفصیلات اپنی فقہی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ سوم یہ کہ مستعیر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عاریت کی چیز کو کسی تیسرے کو کرائے پر دے دے یا بغیر اجازت آگے عاریت پر دے، نہ اس طور پر جب اس سے چیز کی نوعیت یا خطرہ بدل جاتا ہو۔ چہارم یہ کہ مقررہ مدت یا مقصد پورا ہونے پر چیز فوراً واپس کرنا اخلاقی و شرعی ذمہ داری ہے اور بلاوجہ روکے رکھنا امانت میں خیانت کے قریب ہو جاتا ہے۔ پانچواں یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ضرورت کے موقع پر چیزیں عاریتاً لینے کا عمل ثابت ہے اور احادیث میں مانگی ہوئی معمولی چیزوں کو روکنے کی مذمت بھی آئی ہے جس کا ایک حصہ سورہ ماعون میں اس طرح بیان ہوا کہ وہ لوگ بھی مذمت کے مستحق ہوتے ہیں جو عام استعمال کی چھوٹی چیز یعنی ماعون روک لیتے ہیں۔ اس سے عاریت کے سماجی فائدے کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ باہمی عاریت معاشرے میں وسائل کو سب کے لیے کارآمد بناتی ہے اور مال دار و ضرورت مند کے درمیان نرمی و محبت پیدا کرتی ہے۔

غصب: تعریف، حکم اور غاصب کی ذمہ داریاں

غصب کے لغوی معنی زبردستی چھین لینے اور ناحق قبضہ کر لینے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں غصب اسے کہتے ہیں کہ کسی کے مال پر اس کی اجازت کے بغیر ناحق و عدواناً کے طور پر قبضہ کر لیا جائے، چاہے وہ کھلم کھلا چھین کر ہو یا چوری چھپے قبضے کی صورت میں، اصل نکتہ مالک کے حق کو باطل کر کے اس کے مال پر قابض ہو جانا ہے۔ غصب شرعاً حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ قرآن مجید میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے کھانے سے واضح ممانعت آئی ہے اور حدیث کا مفہوم ہے کہ جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلم سے لی قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا، یہ روایت صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔ ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ کسی مسلمان کا مال اس کی دلی

رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔ غاصب کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اصل چیز بعینہ اس کے مالک کو واپس کرے، اگر چیز موجود نہ رہے یا ہلاک ہو جائے تو اس کی مثل یا قیمت ادا کرے۔ دوران غصب چیز میں جو کمی آئی ہو اس کا نقصان بھی غاصب کے ذمے آتا ہے اور غصب شدہ چیز سے حاصل ہونے والے منافع و استعمال کا فقہی حکم بھی غاصب کے لیے سخت رکھا گیا ہے تاکہ کوئی شخص ناحق قبضے سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس کے علاوہ غاصب پر توبہ لازم ہے جس کی شرائط میں مالک کا حق لوٹانا اور اس سے معافی طلب کرنا شامل ہے، کیونکہ حقوق العباد معافی یا ادائیگی کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ یہاں یہ اصول بھی یاد رکھا جائے کہ زمین، دکان یا مکان جیسی غیر منقولہ چیز پر ناجائز قبضہ بھی اسی باب میں آتا ہے اور عصر حاضر میں یہی صورت معاشرے میں سب سے زیادہ عام ہے۔ کئی مختصر واقعے کو غصب قرار دینا اور اس پر ضمان کا اطلاق عدالت و اہل علم کا کام ہے، طالب علم کا کام ان اصولوں کا سیکھنا ہے۔

جدول 1: عاریت اور غصب — تقابلی تشریح

پہلو	عاریت	غصب
تعریف	بلا معاوضہ نفع کا عارضی حق، مالک کی اجازت سے	مالک کی اجازت کے بغیر ناحق قبضہ
حکم	مستحب، تعاون و نیکی	حرام، کبیرہ گناہ و ظلم
ملکیت	اصل چیز مالک کی رہتی ہے، واپسی لازم	قبضہ ناجائز؛ اصل فوری واپسی لازم
ضمان	عام حالت میں امانت؛ تعدی ہو تو ضمان	ہر حال میں ذمہ داری؛ ہلاک پر مثل یا قیمت
معاشرتی اثر	محبت و وسائل کا اشتراک	فساد، عداوتیں و حقوق العباد کی پامالی

حاصل کلام

خلاصہ یہ ہے کہ عاریت اور غصب ایک ہی ظاہری صورت کی دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ عاریت میں دوسرے کا مال اس کی خوشی و اجازت سے عارضی استعمال میں آتا ہے، اصل چیز امانت رہتی ہے، واپسی ذمہ داری ہوتی ہے اور تعدی کی صورت ہی میں ضمان آتا ہے، یہ عمل نیکی و تعاون ہونے کی وجہ سے پسندیدہ ہے۔ غصب میں دوسرے کے مال پر ناحق قبضہ ہوتا ہے، یہ حرام اور حقوق العباد کی سنگین پامالی ہے، اس کا لازمی نتیجہ اصل چیز یا اس کے بدل کی واپسی، نقصان کی تلافی اور توبہ و معافی طلبی ہے۔ طالب علم اگر یہ دونوں باب ساتھ یاد کر لے تو اسے روزمرہ کے لین دین میں جائز و ناجائز استعمال کی سرحد واضح دکھائی دے گی، خواہ وہ پڑوسی سے لیا ہوا اوزار ہو یا کرائے و قبضے کے بڑے معاملات۔ یہ تشریح خالص تعلیمی مقصد سے انگریزی و عربی فقہی اصطلاحات کے اردو مفاہیم میں لکھی گئی ہے، عملی نزاعات کے فیصلے متعلقہ عدالتوں اور مستند مفتیان کرام ہی کا اختیار ہیں اور ان ہی سے رجوع کرنا چاہیے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com